سلیم تابانی

تذکرہ مشاہیر

سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ — شخصیت اور یادیں

مولانا ابوبکر غزنوی کا شمار موجودہ دور کے ان علما اور دانشوروں میں ہوتا تھا جن کی نظر مسائل کے فطری پہلو کے ساتھ علمی پہلو پر بھی ہوتی ہے اور جو دینی مصلحتوں سے آگاہ ہیں، ہر چند اس دور میں علما کی کمی نہیں اور جدید اصطلاحی دانشوروں کی قلت کا احساس بھی نہیں ہوتا لیکن ایسے حضرات کی ہمیشہ کمی رہی ہے اور اب تو قحط کی سی کیفیت ہے جو علم و فضل کے ساتھ نکتہ رس طبیعت بھی رکھتے ہوں اور ہر بات کی تہہ تک پہنچ جانا ان کے لیے آسان ہو، اللہ تعالیٰ نے سید موصوف کو جہاں علم و فضل اور کردار و عمل کی خوبیوں سے نوازا تھا اور صاف ستھرا اور اُجلا ادبی ذوق بخشا تھا وہاں نکتہ رس طبیعت بھی عطا کی تھی جس کی بدولت وہ بہت جلد ایک خاص مقام پر فائز ہو گئے اور خدمتِ دین اور خدمتِ خلق کے جذبہ سے بیتاب رہنے لگے ——— واحسرتا کہ ان کے فضل و کمال سے ملک و قوم نے استفادے کا آغاز ہی کیا تھا کہ ان کی شمع حیات لو دے گئی اور اس دیار میں داعیٔ اجل نے ان کو آن پکارا جس کی دانش و تہذیب کے جلوے ان کی نگاہ کو کبھی خیرہ نہ کر سکے تھے اور جن کی مرعوبیت کو ختم کرنا انھوں نے اپنا مقصدِ حیات بنا لیا تھا۔

پروفیسر موصوف برِ عظیم پاک و بھارت کے ایک ایسے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جو اپنے علمی، عملی اور اصلاحی کارناموں کی بدولت منفرد و ممتاز حیثیت رکھتا ہے اور جس کی دینی و سیاسی خدمات اس سرزمین میں مسلمانوں کی تاریخ کا ایک زریں باب ہیں۔ اس خطۂ ارضی میں ان کے مورثِ اعلیٰ حضرت مولانا عبداللہ غزنوی اپنے عہد کے ایک جید عالمِ دین اور بلند پایہ مصلح قوم تھے۔ ان کے جدِ امجد حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے وقت کے امام مانے جاتے تھے اور لوگ بلا امتیاز عقیدہ و مسلک ان کا احترام کرتے تھے۔ ان کے والد ماجد مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی علمی و سیاسی زندگی کا حال مولانا ظفر علی خاں نے اپنے مخصوص انداز میں اس طرح بیان کیا ہے ؎

قائم ہے ان سے ملتِ بیضا کی آبرو
اسلام کا وقار ہیں داؤد غزنوی
رحمت پسند کہنے لگے ان کو دیکھ کر
آیا ہے سومنات میں محمود غزنوی

پھر سب سے بڑھ کر مولانا سید ابو بکر غزنوی خود ایک ثقہ عالم دین تھے، نکتہ رس طبیعت پائی تھی۔ اور دین کے مزاج شناس تھے۔ ظاہر ہے جس شخص کی ذات میں اتنی خوبیاں جمع ہو جائیں۔ علم و دین کے گھرانے میں ان کی پیدائش ہوئی ہو، علم دین کے ماحول میں اس نے آنکھیں کھولی ہوں۔ علم دین کے زیر تربیت پروان چڑھا ہو اور پھر علم دین نے اپنی رفاقت و خدمت کے لیے اسے چن لیا ہو اس کے فضل و کمال کا کیا عالم ہو گا اور کیسے کیسے نیک اور اعلیٰ جذبات اس کے نہاں خانۂ دل میں کروٹیں لیتے ہوں گے۔

مولانا سید ابو بکر غزنوی فطرتاً علم دوست، مطالعہ پسند اور کم آمیز قسم کے آدمی تھے۔ جن لوگوں نے ان کا بچپن دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ کتاب و مطالعہ سے ان کا کتنا گہرا دلی تعلق تھا۔ ابھی ان کا ابتدائی تعلیمی زمانہ ہی تھا کہ ان کا کتاب سے شغف اور مطالعہ کا شوق دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا تھا

؎ ابھی سے شوخیاں ان کی بلائیں لیتی ہیں
جو کمسنی ہے قیامت شباب کیا ہو گا!

چینیانوالی مسجد کا ماحول ہوتا تھا اور سید ابو بکر غزنوی اور کتاب ہوتی تھی۔ اگرچہ وہ اردو، فارسی، اور انگریزی زبان پر بھی پوری دسترس رکھتے تھے اور ان زبانوں میں بھی انھیں اہلِ زبان کی سی مہارت حاصل تھی تاہم عربی زبان نے کئی وجوہ سے اپنی محبت کا اسیر اور اپنے دامِ وفا کا نخچیر بنا لیا تھا اور اس میں انھوں نے خاص قابلیت و استعداد بہم پہنچائی تھی۔ بچپن ہی میں عربی سے ان کے ربط و علاقہ کا یہ عالم تھا کہ اہلِ زبان کو اپنی زبان دانی سے متاثر کرنے اور داد و انعام پانے لگے تھے۔ پھر جب انھوں نے پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے عربی کا امتحان دیا تو صوبہ بھر میں اول رہے۔ اس طرح محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے دین کے اصل ماخذ کی زبان سے محبت کا حق ادا کر دیا۔

پروفیسر ابو بکر غزنوی نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں عربی کے لیکچرر کی حیثیت سے کیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اسلامیہ کالج سول لائنز کو ڈگری کالج کی حیثیت

حاصل ہو گئی تو موصوف شعبۂ عربی کے صدر بن کر وہاں منتقل ہو گئے۔ اس زمانے میں یونیورسٹی اورنٹیل کالج میں عربی کے خصوصی لیکچر بھی دیتے تھے۔ اس کے بعد جلد ہی انجینیئرنگ یونیورسٹی لاہور نے اپنے دروازے ان پر کھول دیے اور وہ شعبۂ اسلامیات کے صدر کی حیثیت سے وہاں اٹھ گئے یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ انجینیئرنگ یونیورسٹی میں ان کے تقرر سے پہلے بعض تعلیمی حلقوں میں یہ مسئلہ زیرِ بحث تھا کہ آیا فنی درسگاہوں میں اسلامی تعلیمات کا شعبہ ہونا بھی چاہیے یا نہیں اور کچھ لوگ سرے سے اس کے مخالف تھے کہ کسی فنی درسگاہ میں اسلامیات کا شعبہ کھولا جائے لیکن پروفیسر ابوبکر غزنوی نے ایک فنی درسگاہ کے طلبہ کے لیے اسلامیات کا ایسا نصاب مرتب کیا اور اس انداز سے پڑھائی شروع کی کہ تعلیمی حلقے حیران رہ گئے اور معلوم ہوا کہ اسلامیات کا مطالعہ فنی طالب علموں کے لیے بھی اسی قدر ضروری اور آسان ہے جس قدر آرٹس کے طلبا کے لیے ضروری اور سہل ہے۔ اس کے بعد بہاولپور یونیورسٹی میں وائس چانسلر کے طور پر ان کا تقرر ہوا اور ابھی وہ یونیورسٹی کی اصلاح و ترقی کے پروگراموں پر عمل کرا ہی رہے تھے اور یونیورسٹی کا معیار بلند ہو رہا تھا کہ موت آگئی اور وہ اللہ کو عزیز ہو گئے۔

مولانا سید ابوبکر غزنوی کی ذات متعدد اوصاف فاضلہ کا مجموعہ تھی، وسعتِ مطالعہ اور معلومات کی فراوانی نے جہاں ان کے اندر صحت مند تنقید و تعریظ کا ملکہ راسخہ پیدا کر دیا تھا وہاں بعض مسائل میں پر اعتماد محقق کی طرح اپنی انفرادی رائے بھی رکھتے تھے۔ وسعتِ مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ ابھی ہیگل کا فلسفہ اور مارکس کی معاشیات پر گفتگو ہو رہی ہے اور ایسے مضبوط دلائل کے ساتھ دونوں کے نظریات کی تردید کر رہے ہیں کہ معقولات و منقولات کا دفتر کھلا ہوا ہے اور معاً تفسیر، حدیث اور فقہ کے مسائل پر بولنے لگے ہیں اور ابن کثیر، زمخشری اور رازی کے حوالے دے رہے ہیں اور امام احمد بن حنبل، امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ کے ارشادات پیش کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اسلامیانِ ہند کی مذہبی، معاشرتی اور سیاسی و معاشی زندگی موضوع گفتگو بن رہی ہے اور شواہد کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ کوئی سنی سنائی بات نہیں ہو رہی بلکہ گہرا مطالعہ ہے جو بول رہا ہے اور علم کی گرہیں کھول رہا ہے۔

آج کل ہمارے ہاں حدیث اور سیرت و تاریخ کے واقعات کے بیان میں جس طرح بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے وہ انتہائی قابلِ افسوس ہے۔ سید ابوبکر غزنوی اس بے احتیاطی اور اس کے نتائج سے کما حقہ آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ اس کے پس پردہ اسلام دشمنوں کی سازش

کارفرما ہے اسی لیے وہ جب کوئی حدیث بیان کرتے تو پوری تحقیق اور چھان بین کے بعد اور جب سیرت و تاریخ کا کوئی واقعہ ان کی زبان پر آتا تو پوری صحت اور تاریخی یقین کے ساتھ ادا ہوتا تھا۔

سید موصوف کے خاندان کا انفرادی اور امتیازی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے بدعت و ضلالت کے خلاف ایک محاذ قائم کیا اور اپنے علم و فضل اور کردار و عمل سے دینِ خالص کی تبلیغ مجاہدانہ انداز سے کی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ سید ابوبکر غزنوی بھی اپنی خاندانی روایت پر عمل پیرا رہے اور اسلام کے گہرے مطالعے کا تقاضا بھی ان سے یہی تھا لیکن انھوں نے اس سلسلہ میں جو طریق کار اختیار کیا وہ وقتی تقاضوں کے تحت جس جادۂ اعتدال پر گامزن رہے اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کے انتقال کے بعد لوگ یہ سوچنے لگے کہ موصوف کیا مسلک رکھتے تھے اور مسلمانوں کے کس مکتبِ فکر کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے تھے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کی تقریروں اور تحریروں میں اگر محبت و اخوت کی باتیں، محبت و اخوت کی داستانیں اور محبت و اخوت کے محاسن کا بیان ہوتا تھا تو اس لیے نہیں کہ انھوں نے اپنا وہ آبائی مسلک چھوڑ دیا تھا جسے وہ اپنے عمیق اور گہرے اسلامی مطالعہ کے بعد حق سمجھتے تھے بلکہ یہ اس لیے تھا کہ مسلمانوں کی زبوں حالی اور نکبت و ادبار کا علاج اس دور میں ان کے نزدیک یہی تھا کہ مسلمان پھر سے محبت و اخوت کے رشتے میں منسلک ہو جائیں اور لا تفرقوا پر عمل پیرا ہو کر اتحاد و اتفاق کی دولت سے مالا مال ہو جائیں وگرنہ جہاں تک ان کے مسلک کا تعلق تھا وہ ان کی تقریروں تحریروں اور ان کی گفتگو کے دوران دلائل و حوالہ جات سے دیکھا جا سکتا تھا کہ خدا تعالیٰ اور رسولؐ اور صحابہ کرام کے بعد کن لوگوں کو قابلِ استناد سمجھتے تھے اور اپنی باتوں کو ان کے ارشادات و ملفوظات سے آراستہ کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل، امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیمؒ، علامہ ابن کثیر اور شاہ ولی اللہ وغیرہم حضرات کے علمی مباحث سے ان کا خصوصی تعلق تھا اور زیادہ تر مسائل میں انہی حضرات کی کاوشوں سے متاثر تھے۔

سید ابوبکر غزنوی کے نمایاں اوصاف میں سے ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں نمود و نمائش کو سخت ناپسند کرتے تھے اور ان اجری الا علی اللہ کی راہ پر گامزن رہنا ہی اسلام کی صحیح خدمت سمجھتے تھے۔ علماءِ حق اور پاکستان کی ممتاز علمی شخصیتوں سے ان کو خصوصی محبت تھی اور ان کی محفل میں بیٹھنا اور مسائل شرعیہ کے سلسلہ میں ان سے رابطہ رکھنا ان کے لیے باعثِ افتخار تھا۔ علم و مطالعہ کی وسعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خودداری اور اعتماد کی دولت

بے پایاں بھی ان کے لیے ارزاں کردی تھی۔ چنانچہ جب وہ کسی مسئلے پر تقریر کرتے یا اسے حیطۂ تحریر میں لاتے تو یہ دونوں خوبیاں خوب ظاہر ہوتیں اور ایسا محسوس ہوتا کہ بولنے یا لکھنے کے ساتھ وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں۔

ع مستند ہے میرا فرمایا ہوا

پروفیسر سید ابوبکر غزنوی ایک ریسرچ سکالر ہونے کی حیثیت سے اگرچہ جلوت سے زیادہ خلوت پسند واقع ہوئے تھے لیکن جب جلوت میں ہوتے تو علمی موتی بکھیرنا اور اہلِ محفل کی فکری و عملی اصلاح و تربیت کی طرف توجہ دینا ان کے پیشِ نظر رہتا تھا تاہم یبوست و خشکی کا سایہ بھی ان پہ نہیں پڑا تھا۔ شائستہ لطائف و ظرائف سے محظوظ ہونا اور دوسروں کو محظوظ کرنا بھی انھیں خوب آتا تھا لیکن ہلکی باتوں سے نفور رہتے تھے۔

سید ابوبکر غزنوی ایسے لطیف الطبع اور نفاست پسند انسان واقع ہوئے تھے کہ ان کو دیکھ کر ان کی محفل میں بیٹھنے اور ان کی گفتگو سننے کا شوق دل میں پیدا ہوتا تھا۔ اسلام نے جس اعلیٰ درجے کی طہارت و پاکیزگی کی تعلیم اپنے ماننے والوں کو دی ہے موصوف اس کا عملی نمونہ تھے۔ چنانچہ لندن میں حادثہ پیش آنے کے بعد جب وہ ہسپتال میں داخل ہوئے ہیں تو سب سے زیادہ جس بات کی طرف ان کی توجہ رہی ہے وہ یہی طہارت و پاکیزگی ہے۔ وفات سے کچھ عرصہ قبل انھوں نے اپنے اس ذہنی کرب اور دلی تکلیف کا اظہار بھی کیا تھا کہ وہ اس حالت میں طہارت و پاکیزگی کا وہ معیار قائم نہیں رکھ سکتے جس کے وہ عادی ہیں اور جسے قائم رکھنا ان کے نزدیک ازبس ضروری ہے۔

آج مولانا سید ابوبکر غزنوی بہ نفسِ نفیس ہم میں موجود نہیں اور حیاتِ فانی کی دیوار پھلانگ گئے ہیں لیکن ان کے علمی و ادبی کارنامے ایک حد تک محفوظ ہیں جن سے بہت کچھ استفادہ کیا جا سکتا ہے اور قلب و نظر کو روشنی کا سامان بہم پہنچایا جا سکتا ہے۔ وفات سے چند ماہ قبل انھوں نے اپنے والدِ گرامی مولانا سید محمد داؤد غزنوی پر "سیدی و ابی" کے نام سے ایک کتاب مرتب کر کے شائع کی تھی۔ اس میں "سیدی و ابی" کے عنوان سے ان کا اپنا مضمون علم و ادب کے حسین امتزاج کا نمونہ ہے اس کے علاوہ ملکی اخبارات خصوصاً نوائے وقت میں مختلف موضوعات پر ان کے شائع ہونے والے مضامین، حال ہی میں منعقد ہونے والی سیرت کانگرس میں مقالہ اور شامِ ہمدرد میں کی جانے والی تقریروں سے آج بھی بہت سے علمی و ادبی جواہر حاصل کیے جا سکتے ہیں اور سید ابوبکر غزنوی کی سیرت و زندگی کی جھلکیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔